tle - INTIKHAB - E - GHALIB.

eator - Mirza Asad ullah Khan Ghalib; Murattiba Mohd. Abdur Razzaq

ublisher - Iqbal Academy (Lahore).

ate - 1943

Pages - 48

ubjects - Ghalibiyaat - Intikhab.

اقبال اکیڈمی، ظفر منزل، تاج پورہ، لاہور

اسی سلسلے کی دوسری کتابیں

اشتراکیت اور اسلام

مولوی محمد مظہرالدین صدیقی، بی۔اے، حیدر آباد دکن

نے

اس پمفلٹ میں اشتراکیت اور اسلام کا اس قدر واضح طور پر موازنہ کیا گیا ہے کہ اشتراکیت کا تمام تار و پود کھول کر رکھدیا ہے۔ کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔

قیمت ۶ آنے

شرح اسرار خودی

پروفیسر محمد یوسف خان سلیم چشتی، بی۔اے

کی

یہ تصنیف بے حد مقبول ہوئی ہے، اس کا دوسرا ایڈیشن حذف و اضافہ کے بعد نہایت خوبصورت اور عمدہ شکل میں طبع کیا گیا ہے،

قیمت ۱ روپیہ ۸ آنے

ہمارے ہندوستانی مسلمان

ولیم ہنٹر، آئی۔سی۔ایس

نے

ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے عہد میں مسلمانوں کی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اور مسلمانوں کی اسلامی ذہنیت اور اس کے تبدیل کرنے کے لئے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہیں، یہ تاریخی کتاب مسلمانوں کی دماغی کیفیت اور ان کی تحریک ہائے آزادی کا ایک مرقع ہے، ضمنا سید احمد بریلوی علیہ الرحمۃ اور جماعت مجاہدین سرحد کی مساعی کا مختصر مگر قابل وثوق اور نہایت سبق آموز ذکر آگیا ہے،

مترجمہ

ڈاکٹر صادق حسین، ایم۔بی۔بی۔ایس

قیمت مجلد ۲ روپے ۸ آنے

انتخاب غالب

مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کے خطوط، لطائف،
اشعار، اور نقلوں کا ایک مختصر مجموعہ جسکو انہوں نے
خود مرتب کیا تھا اور جو اب تک طبع نہیں ہوا

از

محمد عبد الرزاق ۔ ایچ سی ایس
مددگار صدر محاسب سرکار عالی حکومت آصفیہ

اقبال اکیڈیمی ظفر منزل تاج پورہ لاہور

قیمت ۶/

یہ کتاب دین محمدی پریس لاہور میں سیّد محمد شاہ ایم اے سکرٹری
اقبال اکیڈیمی نے بنسی دھر رائینڈ سنز سے کنٹرول نرخ پر کاغذ حاصل کر کے
طبع کی اور دفتر اقبال اکیڈیمی ظفر منزل تاج پورہ لاہور سے شائع کی ۔

ناشرین کی طرف سے

سال گزشتہ انہی دنوں میں حسنِ اتفاق سے حیدرآباد دکن کا سفر پیش آیا وہ حیدرآباد جس کو آج اگر علم و ادب کا بغداد کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو۔ وہاں چند شائقینِ علم و ادب کے نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا، اُن میں سے ہمارے دوست اور بزرگ جناب مولوی عبدالرزاق صاحب ایچ سی، ایس صدر محاسب سرکارِ عالی بھی تھے آپ پرانے علیگ ہیں اور بلند پایہ اور خوش ذوق ادیب۔ آپ سے ملاقات کر کے چلنے لگا تو آپ نے مجھے ازراہِ لطف و مہربانی ایک تحفہ عنایت فرمایا جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور میرے خیال میں اس سے بہتر تحفہ ایک ادیب کی طرف سے مجھ ایسے خادم ادبِ اُردو کے لئے اور کیا ہو سکتا تھا! میں بکمال مسرت آج ادبِ اُردو کے تمام شائقین کو اس تحفہ سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع مہیا کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

اِس انتخابِ غالب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مصنف کا اپنا انتخاب ہے جس سے اُس کے منتخب ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض تاریخی واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز غالب کی سیرت و کردار اور اُس کی ذہانت و فطانت کا ایک منقّح تصوّر آنکھوں کے سامنے جھپٹ کر آجاتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ شائقینِ ادبِ اُردو اِس انتخاب لاجواب کو اپنے علمی خزانہ میں جگہ دے کر زبانِ اُردو کی قدر دانی کرینگے ؛

اقبال اکیڈیمی کے پیشِ نظر اِس طرح کا ایک انتخابِ حافظ بھی ہے جو عنقریب طبع ہوگا۔ نیز "اکبر و اقبال کی پیشینگوئیاں" بھی طبع ہو کر علمی و ادبی حلقوں کو محوِ حیرت کرنے والی ہیں۔ کیا میں امید رکھوں کہ اس ادارہ کی ان علمی مساعی کی قدر دانی کی جائے گی ؟

۲۵ر دسمبر ۴۳ء

محمد شاہ (ایم اے) سیکرٹری اقبال اکیڈیمی

مرزا غالب نے اپنے اشعار، خطوط، لطائف، اور نقلوں کا ایک
مختصر مجموعہ خود مرتب کیا تھا، جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس کے طبع ہونے
کی نوبت نہیں آئی، اور نہ غالب کے کسی سوانح نگار نے اس کا کچھ حال لکھا
ہے، آبِ حیات اور یادگارِ غالب کے مستند مصنفین بھی اس کی جانب
کوئی اشارہ نہیں کرتے،

اس کا مسودہ دہلی کالج کے پروفیسر ضیاء الدین ایل، ایل، ڈی کے
وسیع کتب خانے سے برآمد ہوا ہے اور اب جناب منشی سید سجاد صاحب
ایم، اے کے قبضے میں ہے،

جناب موصوف عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں
آپ کو اردو کے قدیم سرمایہ کی حفاظت کا خاص ذوق ہے، ہم آپکے نہایت

ممنون ہیں کہ آپ نے یہ مجموعہ اشاعت کی غرض سے ہمیں عنایت فرمایا ہے اس میں شروع سے اخیر تک خود غالب کی انتخاب کی ہوئی چیزیں ہیں جن میں بعض بالکل نئی ہیں یہ انتخاب کتابی صورت میں شائع کیا جاتا ہے کہ دلدادگانِ ادب اور مداحانِ غالب کو اُس کے مطالعے سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے۔ افسوس ہے کہ مقابلہ کے لئے اس کا کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔ جو مسودہ ملا ہے وہ غالب کا قلمی نہیں، کسی کاتب کا لکھا ہے، ۲۲ صفحوں پر مشتمل ہے، اس پر سنہ کتابت درج نہیں ہے لیکن ظاہری شکل وصورت سے نصف صدی پیشتر کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، اس کے سرورق پر سرخ روشنائی سے "رقعہ ہائے مرزا اسداللہ خاں عرف مرزا نوشہ" مرقوم ہے ہم نے اس کا نام انتخاب غالب تجویز کیا ہے، اس میں

۱۔ ایک دیباچہ ہے اور ایک خاتمہ، دونوں غیر مطبوعہ، دیباچے میں مرزا نوشہ پنجاب کے فینانشل کمشنر مکلوڈ صاحب سے اپنا تعارف آپ کراتے ہیں اور یہ مجموعہ اُن کی نذر کرکے اس کی غرض وغایت کی نسبت لکھتے ہیں:۔

"اگر کوئی خط اُردو زبان میں لکھا جائے، ان اشعار میں سے شعر محل ومقام کے مناسب درج کیا جائے۔"

"یہ کتاب اگر اُن کے (میکلوڈ صاحب کے) حکم سے چھاپی جائے گی، تو صاحبانِ تازہ واردِ ولایت کے پڑھنے کے

کام آئے گی "

اور "میں اِس کا مستحق ہوں کہ کوئنس پوئٹ (QUEEN'S POET) گنا جاؤں اور اس علاقہ سے ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں۔ اگر رتبہ بڑھایا نہ جائے، قدیم عزت میں تو فرق نہ آئے "

۲۔ نظم میں ۴۳ آسان شعر ہیں جو مروجہ دیوانوں میں طبع ہو چکے ہیں۔

۳۔ نثر کے کل انتخابات تعداد میں پندرہ ہیں جن میں سے دو دیباچے، دو نقلیں، ایک لطیفہ اور دس خطوط ہیں۔

دیباچے وہی ہیں جو اُردوئے معلٰے کے حصۂ دوم میں شامل کئے گئے ہیں اور عود ہندی میں بھی چھپے ہیں، یعنی ایک حدائق العشاق مرزا رجب علی بیگ سرور کی تصنیف پر اور دوسرا حدائق الانظار خواجہ بدرالدین کی تالیف پر، لیکن خطوط میں ایک خط بالکل نیا ہے اور لطیفہ بھی نیا معلوم ہوتا ہے نقلیں وہ ہیں جن کو مولانا حالی نے یادگار غالب میں اشارۃً رقم فرمایا ہے۔ لیکن اس انتخاب میں غالب نے اُن نقلوں کو اپنے دلکش اور ظریفانہ انداز میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ مولانا حالی نے یا تو یہ نقلیں غالب سے سُنی ہیں یا اس انتخاب میں دیکھی ہیں۔ اگر یہ انتخاب دیکھا تھا تو اُن کا اپنی تصنیف یادگار غالب میں اس کا ذکر نہ کرنا

تعجب سے خالی نہیں۔

بہرکیف ہم نے اس انتخاب کا مقابلہ کتب ذیل کی مختلف ایڈیشنوں سے کیا ہے۔

(۱) اُردوئے معلےٰ مطبوعہ کلکتہ (۴) اُردوئے معلےٰ مطبوعہ لاہور

(۲) " " " الہ آباد (۵) عود ہندی " آگرہ

(۳) " " " لکھنؤ (۶) یادگار غالب " علیگڈھ

ان میں نقلیں (بہ تفصیل)، لطیفہ اور ایک خط نہیں پایا جاتا اور جو مطبوعہ خطوط اور دیباچے اس انتخاب میں شامل ہیں اُن کی عبارتوں میں اور اُردوئے معلےٰ و عود ہندی کی عبارتوں میں یکسانی نہیں ہے۔ کہیں کہیں جملوں اور ترکیبوں کی تقدیم و تاخیر یا خفیف سے لفظی اختلاف ہیں، لیکن ایسے اہم نہیں کہ اُن کو یہاں بتلایا جائے تحقیق کے شائقین خود ملاحظہ فرمائیں۔ جہاں تک ہم نے تحقیقات کی ہے اس انتخاب کے حالات یہ ہیں جو اوپر مذکور ہیں اگر کوئی صاحب اس سے زیادہ واقف ہوں تو عنایت فرما کر اپنی معلومات کو قلمبند کریں اور از راہ مہربانی ہم سے مراسلت فرمائیں۔

محمد عبد الرزاق، ایچ، سی، ایس،

یہ کتاب[۱] دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب
میں دو دیباچے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر میرے لکھے ہوئے نہ
ہوتے تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام
اسی خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اُردو زبان میں لکھا جائے ان اشعار میں سے
شعر محل و مقام کے مناسب درج کیا جائے اور یہ مجموعہ نذر اس جناب رفعت
مآب کے ہے جس سے عزت و توقیر فنانشل کمشنری پنجاب کی ہے۔
[۲]........ مناقب عالی شان علم و اہل علم کے قدر دان[۳]........

---

[۱] اس انتخاب میں جو عبارتیں جلی قلم سے لکھی ہوئی ہیں وہ نئی اور غیر مطبوعہ ہیں، اور جو عبارتیں عودِ ہندی
واُردوئے معلی کی طرح شدہ ہیں وہ باریک قلم سے رقم کی گئی ہیں۔ [۲] [۳] ان دونوں مقامات
پر مسودے کے ورق کا کچھ حصہ پھٹ جانے کے سبب سے بعض لفظ ضائع ہو گئے ہیں۔

یگانۂ روزگار جن کا مطیع و محکوم ہونا اہل ہند کو سرمایۂ عجز و افتخار والا پایہ عالی رتبہ معلی القاب حضرت فلک رفعت مکلوڈ صاحب بہادر فنانشیل کمشنر بہادر قلمرو پنجاب۔ پس یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھپائی جائے گی تو صاحبانِ تازہ وارد ولایت کے پڑھنے کے کام آئے گی۔ اس کتاب کا نذر کرنے والا جو اپنی نذر کے قبول ہونے کا طالب ہے نصر اللہ بیگ خاں بہادر رئیس سونسا کا بھتیجہ موسوم بہ اسد اللہ خاں و متخلص بہ غالب ہے۔ میرے چچا کی سرداری اور ریاست کا حال اکثر گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میرے قصیدے کا جناب مستطاب لارڈ الن برا بہادر کے ذریعہ سے وزیر اعظم کے پاس پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بحر و بر ملکہ معظمہ محتشمہ کے حضور پر نور میں گذارنا از روئے مشاہدۂ خطوط آمدہ ولایت جو بہ سبیل ڈاک مجھ کو ولایت سے آئے ہیں گورنمنٹ بہادر ہندوستان کو معلوم ہے۔ البتہ میں اس کا مستحق ہوں کہ کوئین پوئٹ گنا جاؤں۔ اور اس علاقہ سے ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں۔ اگر رتبہ بڑھایا نہ جائے قدیم عزت میں تو فرق نہ آئے ✦

نظم

اے جہاں آفریں خدائے کریم — صانع ہفت چرخ و ہفت اقلیم
نام مکلوڈ جن کا ہے مشہور — یہ ہمیشہ بصد نشاط و سرور
عمر و دولت سے شادمان رہے — اور غالب پہ مہرباں رہے

پہلا دیباچہ

سبحان[۱] اللہ خدا کی کیا نظر فروز صنعتیں ہیں تعالی اللہ کیا حیرت آور قدرتیں ہیں۔ یہ جو حدایق العشاق کا فارسی زبان سے عبارت اردو میں نگارش پاتا ہے ارم کا دنیا سے اُٹھ کر بہارستان قدس کا ایک باغ بن جاتا ہے۔ وہاں حضرت رضوان ارم کے نخلبند و آبیارہ ہوئے یہاں مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور حدائق العشاق کے صحیفہ نگار ہوئے۔ اس مقام پر ہیچمیرز جو موسوم باسد اللہ خاں اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے خدائے جہاں آفریں سے توفیق کا اور خلق سے انصاف کا طالب ہے۔ ہاں اے صاحبانِ فہم و ادراک سرور سحر بیان کا اُردو کی نثر میں کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام شاہد معنی کے واسطے کیسا گراں بہا پیرایہ ہے ؛

---

[۱] دیکھو عود ہندی صفحہ ۱۷۳ - و اُردوئے معلی حصہ دوم صفحہ (۶) -

رزم کی داستاں گر سنئے ہے زباں ایک تیغ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجئے ہے قلم ایک ابر گوہر بار

مجھ کو دعویٰ تھا کہ انداز بیان و شوخی تقریر میں فسانۂ عجائب بے نظیر ہے۔ جس نے میرے دعوے کو اور فسانۂ عجائب کی یکتائی کو مٹایا وہ یہ تحریر ہے کیا ہوا اگر ایک نقش دوسرے کا ثانی ہے۔ یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش لاثانی ہے۔ مانی نقاش بے معنی صورتیں بنا کر پیمبری کا دعوے کرے کیا عقل کی کمی ہے۔ اور یہ بندۂ خدا معنی کی تصویر کھینچ کر دعوئے خدائی نہ کرے کس حوصلہ کا آدمی ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ جناب مہاراجہ صاحب والا مناقب عالیشان ایسری پرشاد نارائن سنگھ بہادر جس باغ کی آرائش کے کار فرما ہوں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ مرزا سرور چمن آرا ہوں وہ باغ کیسا ہوگا۔ بہشت نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا! کوئی نہ کہے کہ یہ درویش گوشہ نشین فضول و سبکسر کیوں ہے بے دیکھے بھالے حضور کا ثنا گستر کیوں ہے۔ بھلا جو حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے کہ اس کے سخاوت کی ثنا کرتے ہیں۔ رستم سے کہاں شکست کھائی ہے کہ اس کی شجاعت کا ذکر کیا کرتے ہیں +

معہذا جناب مہاراجہ صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان بابو پرسدھ نرائن کا مورد عنایت رہا ہوں۔ جن دنوں وہ دلّی میں تشریف لائے ہیں اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں۔ جب ناشناسائی اور بیگانگی درمیان نہ ہو تو

اُن کا نیاز مند کیوں ثناخواں نہ ہو۔ نہیں نہیں میرا کیا منہ ہے ثناخوانی کا میں
تو عاشق ہوں اُن کی شاعر پروری و سخندانی کا۔ حضور نے قدر دانی کی۔ سرور نے
گہرفشانی کی۔ حضور کا اقبال سرور کا کمال۔ حضور کی عالی ہمتی۔ سرور کی خوش قسمتی۔
انشاءاللہ تعالیٰ بہ نقش صفحۂ روزگار پہ یاد رہے گا۔ مصنف کا شہرۂ رنگین بیانی
میں مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تا روز شمار رہے گا •

دیباچہ دُوسرا

سبحان اللہ شاہد زیبائے سخن کا حسن بے مثال۔ مشاہدہ اس کا نور افزائے نگاہ۔ تصور اس کا انجمن افروز خیال۔ از روئے لفظ اہل معنی کی نظر میں آئینہ عارض جمال۔ من حیث المعنی بصورت صنعت قلب کلام کا مقلوب یعنے کمال۔ اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو اُس صورت میں ہم کیوں کہیں کہ کیا ہوتا۔ اس لعبت دلفریب کی نظارگی سے بے بادہ مست ہو جاتے اور یہ پیکر ہوش ربا دیکھ کر اہل معنی یک قلم صورت پرست ہو جاتے نظم میں اور ہی روپ نثر میں اور ہی ڈھنگ۔ فارسی میں اور ہی زمزمہ۔ اُردو میں اور ہی آہنگ۔ سیر و تواریخ میں وہ دیکھو جو تم سے سینکڑوں برس پہلے واقع ہوا ہو۔ افسانہ و داستان میں وہ کچھ سنو کہ کبھی کسی نے نہ دیکھا ہو

---

۵ دیکھو اردوئے معلی حصہ دوم صفحہ (۵)، و عود ہندی صفحہ (۱۷۴)۔

نہ سنا ہو۔ ہر چند خردمندانِ بیدار مغز تواریخ کی طرف بالطبع مائل ہونگے لیکن
قصہ کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل میں قائل ہوں گے۔ کیا تواریخ
میں ممتنع الوقوع حکایات نہیں۔ ناانصافی کرتے ہو یہ کچھ بات نہیں۔ سام اپنے
فرزند کو پہاڑ پر پھکوائے سیمرغ اس کو اپنے گھونسلے میں اٹھا لائے۔ پرورش
کرکے پہلوان بنائے۔ آداب حرب و ضرب سکھائے۔ پھر جب رستم اسفندیار کی
لڑائی سے گھبرائے تو زال اس اسم بے مسمیٰ کو بلائے سیمرغ گردان کبوتر کی
طرح سیٹھی کی آواز سنتے ہی چلا آئے اور اپنے بیٹ کی لیپ سے یا اور کسی دوا
سے رستم کے زخم اچھے کر کے ایک تیر دوشاخہ دے کر تشریف لے جائے۔ رستم
دس برس کی عمر میں مست ہاتھی کو ہلاک کرے۔ جب چشم بد دور جوان ہو تو دیو
سفید کو تہ خاک کرے۔ فرعون کا دعوئے خدائی مشہور ہے۔ شداد نمرود کا بھی
تواریخ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزہ د ہوشکن
رستم جیسا قرار دیں اور ایک زمرد شاہ گمراہ دعوئے خدائی کرنے والا مثل نمرود گھڑ
لیں تو گویا ایک ڈھکوسلا بنایا ہے۔ مگر اچھا بنایا ہے۔ انہیں روایات کا چربا
اٹھایا ہے۔ موعظت مند نہیں۔ توہمات قدیما نہ ہے۔ سیر و اخبار نہیں جھوٹا
افسانہ ہے۔ داستان طرازی منجملہ فنون سخن ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دل بہلانے کے
لئے اچھا فن ہے۔ عمر کی عیاریاں دیکھو حمزہ کی میدان داریاں دیکھو۔ جامع ان
حکایات کا کوئی سخنور ایران کا ہے۔ مگر وہ میر تقی محمد شاہی جو ندیم مؤتمن الدولہ

اسحٰق خاں کا ہے۔ اس نے بوستانِ خیال میں کچھ اور ہی تماشا دکھلایا۔ گویا
باغ ارم کو ہندوستان میں اٹھا لایا۔ ان قصص میں سے ایک جلد ہے معز نامہ
واہ رہی بزم و رزم و سحر طلسم و حسن و عشق گرمیٔ ہنگامہ فخر الدین کی طلسم کشائیاں
اگر سنیں تو امیر حمزہ کی یہ صورت ہو کہ اپنی صاحبقرانی کو ڈھونڈھتے پھریں اور
کہیں پتہ نہ پائیں۔

ابوالحسن کی عیاریوں کے جوہر اگر دیکھیں تو خواجہ عُمر کو یہ حیرت ہو کہ
زیرہ سی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ ورہن دلا میرا برادر زادہ سعادت توامان
خواجہ بدر الدین خاں عرف خواجہ امان کہ وہ ایک جوان شیرین بیان تیز ہوش اور اہل
فن کے کمال کی تحصیل میں سختی کش و سخت کوش ہے۔ ستار کا خیال جو آیا تو ایسا بجایا
کہ میاں تان سین کو انگلیوں پہ نچایا۔ مصوری کی طرف جو طبیعت آئی تو وہ تصویر
کھینچی کہ اس کو دیکھ کر مانی و بہزاد کو حیرت آئی۔ اس اقبال آثار کا یہ ارادہ ہوا۔
معز نامہ کی فارسی کے اُردو کرنے پہ آمادہ ہوا۔ معز الدین فیروز بخت کی کشور
کشائیاں ابوالحسن جوہر کی نیرنگ نمائیاں۔ عجائبات حکیم قسطاس کی حیرت افزائیاں
ملکہ نوبہار کی رنگین ادائیاں جمشید خود پرست کی زور آزمائیاں۔ ضحاک منکوس منحوس
کی بے حیائیاں۔ مسلمین و کفار کی لڑائیاں۔ مسلمانوں کی بھلائیاں۔ کافروں کی برائیاں۔
فارسی سے اُردو میں لے آیا۔ یوں تصور کرو کہ قلمرو اُردو میں ایک قصر دلکشا یا ایک
خانہ باغ روح افزا سرتاسر بنایا۔ عبارت آرائی کو ترک کیا ہے۔ گویا تقریر کو پیرایۂ

تحریر دیا ہے - بعد اختتام نگارش غالب فلک زدہ سے دیباچہ لکھنے کی
آرزو کی - میں نے ہر چند عجز آمیز و معذرت انگیز گفتگو کی - بیداد گر نے ایک بات
نہ سنی - اور ایک عذر نہ مانا - بھلا اِس اصرار کا کیا علاج اور اس ضد کا کیا ٹھکانا
ناچار بجز خامہ فرسائی کچھ نہ بن آئی - اس دیباچہ کے انجام کا کوئی رنگ نظر نہ
آیا - عالم ارواح کو سیدھا چلا گیا - اور حضرت نظامی سے ایک شعر مانگ لایا
اِسی شعر شعاری کو خاتمہ میں لکھ دیتا ہوں - بہت تھک گیا ہوں - اب دم لیتا
ہوں ÷

ہاں صاحب تم کیا چاہتے ہو۔ کیا لکھوں۔ تم میرے ہمعصر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں کہ یہاں خیریت ہے۔ وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ برخوردار سچ کہیو۔ اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی یا اور۔ واہ کیا شیوہ ہے۔ اور پھر جب تک یوں نہ لکھو گویا وہ خط ہی نہیں ہے۔ چاہِ بے آب ہے۔ ابرِ بے باراں ہے نخلِ بے میوہ ہے۔ خانۂ بے چراغ ہے۔ چراغ بے نور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم زندہ ہو تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں۔ امر ضروری کو لکھ لیا۔ زوائد کو موقوف کیا۔ میر نصیر الدین ایک بار آئے تھے۔ پھر نہ آئے۔ نثر فارسی نئی میں نے کہاں لکھی کہ تمہارے چچا یا تم کو بھیج دوں۔ نواب فیض محمد خاں کے بھائی حسن علی خاں مر گئے حامد علی خاں کے ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپیہ کی ڈگری بادشاہ پہ ہو گئی۔ کلّو

داروغہ بیمار ہوگیا تھا۔ آج اس نے غسل صحت کیا۔ باقر علی خاں کو مہینہ بھر سے تپ آتی ہے حسین علی خاں کے گلے میں دو غدود ہوگئے ہیں بشہر چپ چاپ نہ کہیں بھاوڑا بجتا ہے۔ نہ سُرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے۔ نہ آہنی سڑک آتی ہے۔ نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلی شہر خموشاں ہے۔ کاغذ بنڑ گیا ورنہ تمہارے دل کی خوشی کے واسطے ابھی اور لکھتا +

یکشنبہ ۲۲ر ستمبر

بھائی[۵] تم تو لڑکوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ جو ماجرا میں نے سُنا تھا وہ البتہ موجب تشویش تھا تمہاری تحریر سے وہ بات رفع ہو گئی۔ پھر تم کیوں ہائے واویلا کرتے ہو۔ اوپر کا حاکم موافق ہے ماتحت کا حکم جو مخالف تھا سو گیا۔ پھر کیا قصہ ہے۔ قاطع برہان کے مسودے کب میں نے پھاڑ ڈالے۔ اِس واسطے کہ ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئی۔ وہ تحریر بالکل مغشوش ہو گئی۔ ہاں اس کی نقلیں صاف کہ جس میں کسی طرح کی غلطیاں تھیں نواب صاحب نے کر لی ہیں میرے ملک کی جو کتاب ہے اس کی جلد بندھ جائے تو بطریق مُستعار تم کو بھیج دوں گا تم اس کی نقل لے کر میری کتاب مجھ کو پھیر دینا۔ اور یہ امر بعد محرم واقع ہو گا۔ مگر یہ یاد رہے کہ جو صاحب اس کو دیکھیں گے وہ ہرگز نہ سمجھیں گے۔ صرف برہان قاطع کے نام

---

[۵] دیکھو صفحہ ۶۴ اُردوئے معلیٰ حصہ دوم

پر جان دیں گے۔ کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں گی وہ اس کو مانے گا۔ پہلے تو
عالم ہو دوسرے فن لغت کو جانتا ہو تیسرے فارسی کا علم خوب ہو۔ اور اس زبان
سے اس کو لگاؤ ہو۔ اساتذۂ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو۔
چوتھے منصف ہو ہٹ دھرم نہ ہو۔ پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو۔ معوج
الذہن اور کج فہم نہ ہو۔ نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہوں گی اور نہ کوئی میری محنت
کی داد دے گا۔ فہمائش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جما اور لالہ گنیش داس ولد
لالہ بھیروں ناتھ کا گھڑا ہوا ہے۔ میری زبان سے کبھی تم نے سنا ہے۔ اب تفصیل سنو۔
امر کے صیغہ کے آگے شین آتا ہے تو وہ امر معنی مصدری دیتا ہے۔ اور اس شین
کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ سوختن مصدر۔ سوزد مضارع۔ سوز امر سوزش حاصل بالمصدر
اسی طرح ہیں۔ خواہش و کاہش و گزارش و گذارش و آرائش و پیرائش و فرمائش
فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہے۔ مصدر جعلی ہے۔ فہم لفظ عربی الاصل ہے طلب
لفظ عربی الاصل ہے .... ان کو موافق قاعدۂ تفریس
فہمیدن و طلبیدن کر لیا ہے، اور اس قاعدہ میں یہ کلیہ ہے کہ لغت اصلی عربی
آخر کو امر بن جاتا ہے۔ فہم یعنے تفہیم سمجھ طلب یعنی بطلب مانگ فہمد مضارع بنا۔
طلبد مضارع بنا۔ خیر یہ فرض کیجئے کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو
اب حاصل بالمصدر کیوں نہ بنائیں۔ سنو حاصل بالمصدر فہمش اور طلبش چاہیے۔
فہم تھا صیغہ امر فہمد میں سے نکلا تھا۔ الف اور یے کہاں سے لایا۔ فہمائے تو

نہیں جو فہمائش درست ہو۔ کہیں فرمائش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا۔ وہ مصدر اصلی فارسی فرمودن ہے۔ فرماید مضارع فرمائے امر حاصل مصدر فرمائش زیادہ زیادہ اور میاں سیّدزادہ آزادہ دلّی کے عاشق دلدادۂ ڈھی ہوئی۔ اُردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو بُرا کہنے والے نہ دل میں مہر و آزرم نہ آنکھ میں حیا و شرم نظام الدین ممنون کہاں؟ ذوق کہاں؟ مومن خاں کہاں؟ ایک آزردہ سو خاموش۔ دوسرا غالبؔ وہ بیخود و مدہوش نہ سخن وری رہی نہ سخن دانی کس برتے پر تتّا پانی۔ ہائے دلّی وائے دلّی۔ بھاڑ میں جائے دلّی۔ سنو صاحب! پانی پت کے رئیسوں میں ایک شخص ہیں۔ احمد حسین خاں ولد سردار خاں ولد دلاور خاں اور نانا احمد حسین خاں کے غلام حسین خاں ولد مصاحب خاں اس شخص کا حال ازروئے تحقیق مشرح اور مفصل لکھو۔ قوم کیا ہے معاش کیا ہے طریق کیا ہے۔ احمد حسین کی عمر کیا ہے۔ لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے۔ طبیعت کا کیا ڈھنگ ہے۔ بھائی خوب چھان کر لکھ اور جلد لکھ +

۱۲ پنجشنبہ۔ ۲۳ مئی ۱۸۶۱ء

سیّد[۵] صاحب اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے۔ بعد القاب کے شکوہ شروع کر دینا
اور میرن صاحب کو اپنا ہمزبان کر لینا۔ میں میر مہدی نہیں کہ میرن صاحب پر
مرتا ہوں۔ میر سرفراز حسین نہیں کہ ان کو پیار کرتا ہوں۔ علی کا غلام اور سادات
کا معتقد۔ اس میں تم بھی آ گئے۔ کمال یہ کہ میرن صاحب سے محبت قدیم ہے۔
دوست ہوں۔ عاشق زار نہیں۔ بندۂ مہر و وفا ہوں۔ گرفتار نہیں۔ تمہارے بھائی
نے سخت مشوّش بلکہ نعل در آتش کر رکھا ہے۔ ایک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا
اور لکھا کہ محرم کے بعد میں بھی آؤں گا۔ میں نے سلام رہنے دیا اور منتظر رہا کہ
ڈاک میں کیوں بھیجوں۔ وہ آئیں گے تو میں ان کو دے دوں گا۔ محرم تمام ہوا
آج سہ شنبہ غرۂ صفر ہے۔ حضرت کا پتہ نہیں ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔

---

۵ صفحہ ۱۴۷۔ اردوئے معلیٰ۔

برسات کا نام آگیا۔ لو پہلے تو مجملاً سنو۔ ایک غدر کالوں کا ایک ہنگامہ گوروں
کا ایک فتنہ انہدام مکانات کا ایک آفت وبا کی۔ ایک مصیبت کال کی اب
یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ اکیسواں دن ہے آفتاب اس طرح
نگاہ گاہے نظر آجایا کرتا ہے جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔ رات کو کبھی کبھی تارے
اگر دکھائی دیتے ہیں تو لوگ اُن کو جگنو سمجھ لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں
چوروں کی بن آئی ہے۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار جگہ کی چوری کا حال نہ سُنا
جائے۔ مبالغہ نہ سمجھنا ہزارہا مکان گر گئے سینکڑوں آدمی جابجا دب کر مر گئے۔
گلی گلی ندی بہ رہی ہے قصہ مختصر وہ اَنْ کال تھا کہ مینہ نہ برسا غلہ نہ پیدا ہوا یہ
پن کال ہے۔ پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہ گئے۔ جنہوں نے ابھی
نہ بویا تھا وہ بونے سے رہ گئے۔ سُن لیا دِلّی کا حال؟ اسکے سوا کوئی نئی
بات نہیں ہے۔ جناب میرن صاحب کو دعا۔ زیادہ کیا لکھوں +

سہ شنبہ یکم صفر و ۲۹۔ جولائی سال رستخیز ۱۲۷۸-

بھائی[۱] کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں۔ دلّی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر تھی۔ قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز وہ بازار مسجد جامع کا، ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دلّی کہاں۔ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے۔ دیکھئے کہاں اترتے ہیں۔ اور کیونکر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیردار تھے کہ اُن کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر، بہادر گڈھ، بلب گڈھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودے، لوہارو۔ چار معدوم محض، تین جو[۳] باقی رہے۔ اس میں سے دوجانہ و لوہارو تحت حکومت ہانسی حصار، پاٹودے حاضر۔ اگر ہانسی حصار کا کمشنر ان دونوں کو یہاں سے آیا تو ہیں رئیس ورنہ ایک

---

۱ دیکھو صفحہ ۷۸ عودِ ہندی و صفحہ ۱۵۳ اُردوئے معلّٰی۔

رئیس بس۔ رہے دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفےٰ خاں سلطان جی ہیں مولوی صدر الدین بلیماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد تینوں مردود و مطرود۔ محروم و مغموم۔

نظم

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسمان سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

تم آتے ہو چلے آؤ۔ جاں نثار خاں کے چھتے کی سڑک، خاں چند کے کوچے کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچے کو ڈھونڈنا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز گول میدان نکلنا سن جاؤ۔ غالب افسردہ دل کو دیکھ جاؤ چلے جاؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا حکیم الملک حکیم میر اشرف علی کو دعا قطب الملک میر نصیر الدین کو دعا یوسف ہند میر افضل علی کو دعا۔

مرقومہ صبح جمعہ ۲ جمادی الاول ۲ ڈسمبر سال حال

جو یائے[1] حال دہلی والو سلام لو۔

مسجد جامع واگذاشت ہوگئی جیلتی قبر کے طرف کی سیڑھیوں پر کبابیوں نے دکانیں بنا لیں، انڈا مرغی، کبوتر بکنے لگا، عشرہ بشرہ یعنی دس آدمی مہتمم ٹھہرے۔ مرزا الٰہی بخش مولوی صدر الدین تفضل حسین ابن فضل اللہ خاں، تین یہ اور سات اور ۔۷، نومبر ۱۴، جمادی الاول سال حال

جمعہ کے دن ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰ جاڑا پڑ رہا ہے۔ ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے۔ کل سے رات کو زری انگیٹھی پر گزارا ہے بوتل گلاس موقوف ۰

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۳۵۔۱۰ اردوئے معلے۔

جانِ غالب۔ اب کی ایسا بیمار ہو گیا تھا کہ مجھ کو خود افسوس تھا۔ پانچویں دن غذا کھائی۔ اب اچھا ہوں۔ تندرست ہوں۔ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ تک کچھ کھٹکا نہیں ہے۔ محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے۔ میر نصیر الدین آئے کئی بار۔ مگر میں نے ان کو دیکھا نہیں۔ اب کے بار درد میں مجھ کو غفلت بھی رہی۔ اکثر احباب کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ جب سے اچھا ہوا ہوں۔ سیّد صاحب نہیں آئے۔ تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلّی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اُڑی اُس کو آپ نے ازراہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی۔ بہر حال اچھے ہو جاؤ۔ اور جلد آؤ۔ میر سرفراز حسین کا خط آیا تھا۔ میں نے میرن صاحب کی آزردگی کے خوف

---

[۱] دیکھو صفحہ ۸۵ - عود ہندی -

سے اس کا جواب نہیں لکھا۔ یہ رقعہ دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا تاکہ میر سرفراز حسین صاحب اپنے خط کی رسید سے مطلع ہو جائیں اور میرن صاحب میرے پاس لغت پر اطلاع پائیں +

چہارشنبہ ۶ جون سنہ ۱۸۶۰ء

برسات[1] کا حال نہ پوچھو۔ قاسم جان کی گلی سعادت خاں کی نہر ہے میں
جس مکان میں رہتا ہوں عالم بیگ خاں کی کٹھری کے طرف کا دروازہ گر گیا
مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا وہ گر گیا۔ سیڑھیاں
گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے۔ چھتیں چھلنیاں ہو گئی ہیں۔
مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹا بھر برسے۔ کتابیں قلمدان سب توشہ خانہ میں۔
فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا کہیں چلمچی دھری ہوئی۔ خط لکھوں کہاں بیٹھ کر۔ پانچ
چار دن سے فرصت ہے۔ مالک مکان کو فکر مرمت ہے۔ آج ایک امن کی
صورت نظر آئی۔ کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکھوں۔ الور کی ناخوشی
راہ کی محنت کشی۔ تپ کی حرارت۔ گرمی کی شرارت۔ یاس کا عالم۔ کثرت اندوہ

[1] صفحہ ۱۵۰۔ اردوئے معلےٰ۔

وغم۔ حال کی فکر، مستقبل کا خیال۔ تباہی کا رنج۔ آوارگی کا طول جو کچھ کہو وہ کم ہے
بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہے۔ سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار
ملے گا۔ ہاں ملے گا۔ مگر وہ اختیار ایسا ہوگا جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے۔
سب کچھ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا۔ آدمی کو بدنام کیا ہے۔ بارے رفع
مرض کا حال لکھو۔ خدا کرے تپ جاتی رہی ہو۔ تندرستی حاصل ہو گئی ہو۔
میر صاحب کہتے ہیں۔ نظم

تندرستی ہزار نعمت ہے

ہائے پیش مصرع مرزا قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا
ہے۔ مجھ کو بہت پسند آیا ہے سہ

تنگدستی اگر نہ ہو سالک
تندرستی ہزار نعمت ہے

مجتہد العصر جناب میر سرفراز حسین صاحب کو دعا۔ ہاہاہا۔ میر افضل علی صاحب
کہاں ہیں حضرت یہاں تو اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ لکھنؤ کے مجتہد العصر
کے بھائی کا نام میرن صاحب تھا۔ بھلا ان کو ہماری دعا کہنا۔

صبح جمعہ ۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ء

Shaw Nusr

رقعہ

۱

ب

بے مے[۱] نہ کند در کف من خامہ روائی

سرد ست ہوا آتش بے دود کجائی

میر مہدی! صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔ دو حرف لکھتا ہوں آگ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی مگر ہائے وہ آتش سیال کہاں کہ جب دو جرعے پی لئے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا ہو گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچایا۔ میاں تم پنشن پنشن کیا کر رہے ہو۔ گورنر جنرل کہاں اور پنشن کہاں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کمشنر لفٹنٹ گورنر بہادر جب ان تینوں نے جواب دیا ہو تو اس کا مرافعہ گورنمنٹ

---

[۱] دیکھو صفحہ ۲۹۱ عود ہندی۔

میں کروں۔ مجھے تو دربار و خلعت کے لالے پڑے ہیں تم کو پنشن کی فکر ہے
یہاں کے حاکم نے میرا نام دربار کی فرد میں نہیں لکھا۔ میں نے اس کا اپیل
لفٹنٹ گورنر کے ہاں کیا ہے
دیکھیے کیا جواب آتا ہے

بہر حال جو کچھ ہوگا تم کو لکھا جائے گا۔ اجی وہ یوسف ہند نہ سہی۔ یوسف دہر سہی۔ یوسف عصر سہی۔ یوسف ہفت کشور سہی۔ ان کی زلیخا نے ستم برپا کر رکھا ہے۔ مجھے تو خبر نہیں کہیں حضرت کہہ گئے ہیں کہ میں ساڑھے سات روپے مہینہ بھیجے جاؤں گا۔ اب اس کا تقاضا ہے۔ رحیم بخش روز آتا ہے اور کہتا ہے کہ چھوٹے بھیا جان کو لکھو کہ پھوپی جان بھوکی مرتی ہیں۔ خرچ جلد بھیجو ورنہ نالش کی جائے گی اور تم گواہ قرار دیا جائے گا۔ بہر حال میرن صاحب کو یہ عبارت پڑھوا دینا۔ میر سرفراز حسین کو دعا۔ میر نصیر الدین کو دعا۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا۔ یوسف ہفت کشور کو دعا۔

سہ شنبہ ۱۳ دسمبر ۱۸۵۹ء

۔۔ برخوردار[۵۱] تمہارا خط پہنچا۔ مگر یہ غضب ہے کہ میں اس کا جواب نہ
لکھ سکتا۔ اور وہ جواب طلب ہے۔ جواب کیا لکھوں۔ قواعد عملداری کے
ہو گئے۔ نئے نئے دستور ہیں شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب آتے ہیں فروری
انبالے پہنچیں گے۔ اہل دہلی کی ملازمت وہاں ہو گی۔ اب یہ آوازہ بلند
کہ فروری میں کلکتہ سے چلیں گے۔ بنارس۔ الہ آباد۔ اکبر آباد ہوتے ہوئے
کو انبالے پہنچیں گے۔ الور۔ جے پور۔ کوٹہ۔ یہ تین راجہ آگرہ پہنچ گئے۔ وہا
ہیر نیرش کی طرح بے کار دھرے ہوئے ہیں۔ اور کے راجہ گویا یوسف ہیں
اُن کے خریدار دوڑتے پھرتے ہیں۔ کوئی شکرم کوئی کرانچی[۵۲] ڈھونڈھ رہا ہے
کوئی پیادہ چل نکلا کسی نے مانگے کا ٹٹو بہم پہنچایا۔ یہ سب قصے ایک طرف

۵۱۔ دیکھو صفحہ ۸۰۷ عود ہندی ۵۲۔ کرانچی اونٹ کی گاڑی کو کہتے ہیں۔

اب سنتا ہوں کہ راجستان کے ایجنٹ نے سب رئیسوں کو لکھا ہے کہ لارڈ
صاحب تمہیں بلاتے نہیں جس کا جی چاہے آؤ۔ جس کا جی چاہے نہ آؤ۔ اس
تحریر کو دیکھ کر جو وعدہ گاہ پر جا پہنچے وہ پشیمان ہیں جو راہ میں ہیں وہ
وہیں ٹھٹک رہے ہیں۔ نہ آگے بڑھتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ جو اپنے
مقام سے نہ ہلے تھے وہ اچھے رہے۔ یہاں وہ تین مہاوٹیں برس گئے ہیں۔
گیہوں چنا اچھا ہو گا۔ ربیع کی امید پڑی ہے

افق ہا پر از ابر بہمن مہی
سفالینہ جام من از مے تہی

سیدھے ہاتھ پر ایک زخم۔ بائیں بازو پر ایک گھاؤ۔ سیدھے ران پر
ایک پھوڑا۔ یہ حال ہوا ہے۔ باقی خیر و عافیت میر سرفراز حسین صاحب اور
میرن صاحب کو دعا پہنچے۔

غالب

جان[1] غالب! تمہارا خط پہنچا، غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے۔

ع

ہر کسی سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

مصرعہ بدل دینے سے یہ شعر کس رتبے کا ہو گیا ہے۔ اے میرزا تمہیں شرم نہیں آتی ع

میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے

اب اہل دہلی یا ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ ان میں سے تم کس کی زبان کی تعریف کرتے ہو۔ لکھنؤ کی

---

[1] دیکھو صفحہ ۵۶ عود ہندی۔

میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی رہی۔ باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود
ہیں .... اللہ اللہ دلّی نہ رہی اور دلّی والے اب تک یہاں کی زبان
کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد! ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ
رہا۔ اردو کہاں؟ دلّی شہر نہیں ہے کیمپ ہے چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر۔
نہ بازار نہ نہر۔
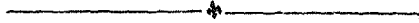
جمعہ[1] ۱۷ محرم ۲۶ جولائی

سید صاحب کل پھر دن رہے تمہارا خط

یقین ہے کہ اس وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہارے پاس پہنچ گئے
حال سفر کا جو کچھ ہے اُن کے زبانی سُن لو گے میں کیا لکھوں میں نے بھی
سنا ہے انہیں سے سُنا ہے۔ اُن کا اس طرح ناکام پھر آنا میری تمنا اور
مقصود کے خلاف ہے لیکن میرے عقیدے اور میرے تصوّر کے مطابق
میں جانتا تھا کہ وہاں کچھ نہ ہوگا۔ سو روپیہ کی زیر باری ناحق ہوئی چونکہ
میرے بھروسے پر ہوئی تو مجھے بھی شرمساری ہے۔ میں نے اس چھیاسٹ
میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیاہیاں بہت اٹھائی ہیں۔ جہاں ہزار
ہیں ایک ہزار ایک سہی۔ میر سرفراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے

[1] دیکھو صفحہ ۴۲۸ عود ہندی۔

ایک[1] مولوی وعظ میں شراب کی مذمت کر رہے تھے۔ فرمانے لگے ادنیٰ برائی اس میں یہ ہے کہ جب تک اس کی بو آدمی کے منہ سے آتی ہے، دعاء نہیں قبول ہوتی۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب آدمی شراب جب پیئے گا کہ تین باتیں اس کو میسر ہوں گی۔ پہلے تندرستی پھر دولت مندی۔ پھر خاطر جمعی۔ اب آپ انصاف کریں جب یہ تینوں چیزیں حاصل اور موجود ہوئیں، ایسی اور کیا چیز باقی رہی کہ انسان اس کی تمنا کرے اور اس کے ملنے کے واسطے دعا کرے!

---

[1] دیکھو یادگار غالب صفحہ ۶۶

۱۸۵۷ء میں جو میرٹھ سے باغی ترک سوار اور تلنگے[1] دلی میں آئے اور انہوں نے شہر پر اور قلعہ پر اپنا قبضہ کر لیا تو وہ مئی مہینے کی گیارہ تاریخ تھی اور دوشنبہ کا دن تھا۔ قضارا جس دن ستمبر ۱۸۵۷ء میں دلی فتح ہوئی اور سرکش لوگ بھاگ گئے۔ وہ بھی دوشنبہ کا دن تھا۔ دو ایک دوستوں نے کہا کہ دیکھو کیا اتفاق ہے دوشنبہ کو دلی کا جانا اور پھر دوشنبہ کو ہاتھ آنا۔ میں نے کہا کہ یہ ایک رمز ہے۔ اس کو یوں تصور کرو کہ جس دن شکست کھائی اسی دن فتح پائی یعنے دیر نہ لگی ایک دن میں تدارک ہو گیا ❖

---

[1] تلنگے دیسی سپاہیوں سے مراد ہے۔

غدر[1] کے دنوں میں میں نہ شہر سے نکلا نہ پکڑا گیا نہ میری روبکاری ہوئی
جس مکان میں رہتا تھا وہیں بدستور بیٹھا رہا۔ بلیماروں کے محلے میں میرا گھر تھا
ناگاہ ایک دن آٹھ سات گورے دیوار پر چڑھ کے اس خاص کوچے میں اتر آئے
جہاں میں رہتا تھا۔ اس کوچے میں بہمہ جہت (۵۰) یا (۶۰) آدمی کی بستی ہوگی
سب کو گھیر لیا۔ اور اپنے ساتھ لے چلے مگر گرفتار نہیں کیا اور کسی کو بے حرمت
نہیں کیا۔ نرمی سے لے چلے راہ میں سارجن بھی آ ملا۔ اس نے مجھ سے صاحب
سلامت کے بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو۔ میں نے کہا کہ آدھا مسلمان ہوں۔ اس
نے کہا ول[2] صاحب! آدھا مسلمان کیسا۔ میں نے کہا شراب پیتا ہوں ہیم ہوک
نہیں کھاتا۔ غرض کہ وہ مجھے کرنل براون صاحب کے پاس لے گیا۔ وہ چاندنی

---

[1] دیکھو یادگار غالب صفحہ ۱۰۳۔ [2] WELL!

چوک حافظ قطب الدین سوداگر کے حویلی میں اترے ہوئے تھے باہر نکل آئے اور میرا صرف نام پوچھا اور دل سے نام بھی پوچھا اور پیشہ بھی پوچھا۔ نام میرا سنکر فرمایا کہ اسد اللہ خاں بڑے تعجب کی بات ہے کہ باؤٹی[1] پر نہ آئے میں نے کہا آپ سنیں تو کہوں۔ کہا ہاں کہو۔ میں نے کہا کہ تلنگے دروازے سے باہر آدمی کو نکلنے نہیں دیتے تھے۔ میں کیونکر آتا۔ اگر کچھ فریب کر کے کوئی بات بنا کے نکل جاتا جب باوئی کے قریب گولی کی زد پر پہنچتا پہرے والا گورا مجھے گولی مار دیتا۔ یہ بھی مانا کہ تلنگے باہر جانے دیتے گورے گولی نہ مارتے میری صورت کو دیکھئے اور میرا حال معلوم کیجئے۔ بوڑھا ہوں پاؤں سے اپاہج کانوں سے بہرا۔ نہ لڑائی کے لائق۔ نہ مشورت کے قابل ہاں دعا کرتا سو یہاں

---

[1] باوئی سے مراد دہلی میں سبزمنڈی کی جانب اور علی پور روڈ پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو میونسپلٹی دہلی کی اصطلاح میں انگریزی میں (Ridge کہلاتی ہے) یہ وہ مقام ہے جہاں ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے اپنی فوجیں جمع کی تھیں۔ اور دہلی اور قلعہ دہلی پر گولہ باری کرنے کے لئے توپیں آراستہ کی تھیں، یہاں انگریزی جھنڈا بھی نصب کیا گیا تھا، قلعہ دہلی سے جب انگریزوں پر گولے پھینکے گئے ہیں تو اس پہاڑی پر چند انگریز مارے گئے جن کی قبریں اب تک موجود ہیں۔ لیکن جب انگریزوں نے دہلی کو فتح کر لیا ہے، تو فتح کی یادگار کے طور پر فتح گڈھ کے نام سے ایک مینارہ قائم کیا گیا جس پر ۱۸۵۷ء کے حالات (ہنگامہ دہلی) کے متعلق کچھ کتبے بھی درج ہیں۔

محمد عبدالرزاق

بھی دعا کرتا رہا۔ کرنل صاحب ہنسے اور فرمایا اچھا تم اپنے گھر جاؤ اور اپنے
نوکروں اور اپنے علاقہ داروں کو ساتھ لے جاؤ۔ باقی اہل محلہ سے غرض نہ رکھو
میں خدا کا شکر بجا لایا۔ اور کرنل براون صاحب کو دعا دیتا ہوا اپنے گھر آیا +

ہے کچھ ایسی بات جو چپ ہوں — ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

شعر

میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں — کاش پوچھو کیا مدعا کیا ہے

قطعہ

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز — گرم بازارِ فوجداری ہے

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا ہے پارۂ جگر نے سوال — ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب — اشک باری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا

آج پھر اس کی روبکاری ہے

شعر

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ　　جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے
انکے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونق منہ پر　　وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

شعر

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار　　یہ شیشہ و قدح ساغر و سبو کیا ہے

شعر

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا　　دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

شعر

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو　　ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

شعر

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید　　ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

شعر

اوک

پلا دے [illegible] ساقی جو ہم سے نفرت ہے　　گلاس گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

شعر

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے　　رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

---

۱ مروجہ دیوان میں یہ مصرعہ یوں ہے ؎

پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

شعر

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند کس کی حاجت روا کرے کوئی

شعر

بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم و لے کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

شعر

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

شعر

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

شعر

سب کے دل میں ہے جگہ جو تو راضی ہوا مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

شعر

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

شعر

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

شعر

جی میں کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

شعر

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن — خاک ہو جائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک

شعر

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں — میں جانتا ہوں جو وہ کہینگے جواب میں

شعر

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے — کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

شعر

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

شعر

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری — تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

شعر

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا — بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

شعر

پینس میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے — کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

شعر

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم — ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جسقدر ہم

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ یہ مجموعۂ مختصر تمام ہوا۔ اب خدا سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میری مربی اور محسن کے پسند آئے۔ تم نے جانا کہ مربی اور محسن کون ہیں؟ وہ کہ جن کی ہدایت کا شکر گزار اور عنایت کا امیدوار ہوں۔ جب نام نامی اُن کا دیباچۂ کتاب میں مرقوم اور عالم میں مشہور ہے تو بار بار حضرت کا نام لینا ادب سے دور ہے مگر ہاں خاتمہ میں یہ شعر لکھ دینا ضرور ہے۔ ؎

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

غالب

۱۹۷۵

یہ کتاب میسرز رام لال کپور اینڈ سنز
سے کنٹرول نرخ پر کاغذ حاصل کر کے
طبع کی گئی ہے

مسرت [illegible] پریس مل روڈ لاہور میں طبع ہوا